پیام اقبال Bahria Research Journal on Iqbal Studies (BRJIS)
2(1), 8-20, 2023

عصر حاضر کے تعلیمی نظام کے مسائل کا فکرِ اقبال کی روشنی میں جائزہ اور آئندہ لائحہ عمل

The Analysis of Contemporary Issues of Education System in Light of Iqbal's Thought and the Way Forward

Sadia Seema
Generation's School Karachi
s.seema@generations.edu.pk

Education system is the backbone of any nation. Pakistan is facing challenges at various fronts. The youth of the country can play an important role in main purpose of this research is to evaluate the problems faced by our education system in light of Iqbal's thoughts in the present era, propose suggestions for the solution to these problems, and decide the future course of action. Iqbal maintains his relationship with the past, keeps an eye on the present, and worries about the future. Iqbal's desire for the youth to develop self-esteem by getting to know the art of purifying the soul. According to the interpretation of Iqbal's dream, the Islamic Republic of Pakistan's educational system is in decline. The existence of the youth is comparable to a structure constructed by non-Muslims, therefore this educational system and associated beliefs based on atheism are unable to awaken the eagle spirit in the youth. Teaching the taste of flight among the youth is a comprehensive aspect of Iqbal's words. Through this research, an attempt will be made to devise such a method with the help of which the answers to these questions can be found and develop the love of the Qur'an and Hazrat Muhammad (PBUH) to inspire youngsters to awaken their eagle spirit. What strategy is being used to liberate young learners from the shackles of Western civilization and education? How can the youth's bright future be established, keeping in mind our historic past and our awareness of the challenges we face today?

Keywords: Education system, Iqbal, youth, contemporary issues, western civilization

کلیدی الفاظ: تعلیمی نظام، اقبال، نوجوان، عصرِ حاضر، لائحہ عمل، مغرب

عروج و زوال قوموں کی زندگی کا لازمی جُز ہے لیکن جب ہم ملّتِ اسلامیہ کی بات کرتے ہیں تو شدّت سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے عصر حاضر میں مسلم امّہ جس اِنحطاط کا شکار ہے وہ انتہائی کرب کا مقام ہے۔ شعبہ تعلیم کسی بھی ملک و قوم میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ عصر حاضر میں ہمارا تعلیمی نظام جس زُبوں حالی کا شکار ہے اُس نے قوم و ملّت کی تنزّلی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ بحیثیت قوم ہم نے اس بات کا نعرہ تو لگایا کہ اقبال ہمارے ہیں لیکن ہم اقبال کے نہ ہو سکے۔ ہم نے اقبال کے افکار سے فائدہ نہ اُٹھایا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہم اسلامی جمہوریہ پاکستان کے باسی ہیں اور اقبال قرآن و سنت کے شارح ہیں ہم نے ان کے افکار کو کوئی اہمیت نہ دی۔ ہم نے اقبال کو قومی شاعر کا درجہ تو دیا لیکن اُن کے کلام کی وہ قدر دانی نہ ہو سکی جس کے وہ حقیقی حقدار تھے ع

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اقبال کی شاعری تین واضح ادوار میں تقسیم ہے۔

۱۔ ان کی جوانی کی شاعری (شروع سے 1905 تک)
۲۔ اُن کی پختہ عمر کی شاعری (1905 سے 1924 تک)
۳۔ اُن کے بڑھاپے کی شاعری (1924 سے 1938 تک)

اقبال کی شخصیت اُن کے کلام اور اُن کے مکاتیب کا بغور جائزہ لینے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اقبال نے ہمیشہ حق بات کہنے کی جرأت کی۔ سید فصیح اللہ کاظمی کے نام اپنے مکتوب میں وہ لکھتے ہیں،

میرا ایمان گوارا نہیں کرتا کہ حق بات نہ کہوں۔ شاعری میرے لیے ذریعہء معاش نہیں کہ میں لوگوں کے اعتراضات سے ڈروں آخر میں انسان ہوں مجھ سے غلطی ممکن کیا یقینی ہے۔ نہ ہمہ دانی کا دعویٰ ہے نہ زبان دانی کا۔ (2)

یہاں یہ بات حیران کُن ہے کہ اقبال اپنی عمر کے ہر دور میں ذہنی اعتبار سے نوجوان ہی رہے اسی لیے انھوں نے ذات اور کائنات کی تسخیر کی بات کی۔ حرکت و عمل کی بات کی اور جمود کی نفی کی۔

عمل سے اقبال کی کیا مراد ہے؟ زندگی کی تسخیر کے لیے انسان کی حرکت جب اپنے آپ کو منظم کرتی ہے تو پھر عمل کہلاتی ہے۔ عمل کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کائنات کی حرکت یا فطرت کا کوئی قانون انسان کے اصل مقصد سے متصادم ہو تو فطرت کے سامنے سر خم نہیں کرنا چاہیئے کیوں کہ یہ زندگی کے معرکے میں انسان کی شکست ہو گی۔ بلکہ عمل کی حرکت سے فطرت کے قانون کو تسخیر کر لینا چاہیئے۔(3)

اقبال کے فلسفے کا بغور جائزہ لینے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ بہت اہم تصوّرات پیش کرتے ہیں جو ان کے فلسفے کو وہ مضبوطی فراہم کرتے ہیں جو ان کے کلام کی نمایاں خصوصیت ہے۔

اقبال نے جس نظامِ فلسفہ کی تشکیل کی اس کی بنیاد بعض اہم تصورات پر استوار تھی، خودی کو مرکزی حیثیت حاصل ہے جب کہ تصورِ عشق، عقل و وجدان کی آویزش، مغربی تہذیب سے اظہارِ بے زاری، سخت کوشی کی تلقین اور مردِ مومن ۔۔۔۔ یہ ہیں وہ تصورات جن سے فلسفہء اقبال میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔(4)

عصرِ حاضر میں تعلیمی نظام سے وابستہ افراد پر گہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔۔ اقبال ہمارے ہیں تو یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اقبال کی شخصیت کا راز اس بات میں پنہاں ہے کہ وہ صرف اپنے زمانے کی شخصیت نہیں تھے وہ ماضی کی خبر رکھتے ہیں حال پر نظر رکھتے ہیں اور مستقبل کی فکر کرتے ہیں۔ آج تعلیمی نظام جس زبوں حالی اور مسائل کا شکار ہے ان تمام مسائل میں مسئلہ عظیم مذہب سے دوری ہے۔ اور مذہب سے دوری کا اگر نسبتاً گہرائی سے جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ موجودہ تعلیمی نظام صرف دنیاوی تعلیم کی ترویج و اشاعت کا منبع بن گیا ہے۔ تقویٰ اور ایمان کے حوالے سے نوجوانوں میں تربیت کے عمل کا فقدان نظر آتا ہے۔ اور اس فقدان کی ایک وجہ اساتذہ کی فکری غلط فہمی بھی ہے۔ وہ یہ سمجھے کہ اُن کا کام درس و تدریس ہے تو وہ تربیت کے عمل سے دور ہو گئے۔ پھر اکثر اساتذہ کے ذاتی خیالات طلبہ کی گمراہی کا سبب بنے۔ لکھنے کا عمل بھی اُن کی زندگی کا حصہ نہ رہ سکا۔ چنانچہ اساتذہ کسی حد تک صاحبِ علم تو ہیں لیکن نہ ہی صاحبِ عمل ہیں اور نہ ہی صاحبِ کتاب ہیں۔ دور حاضر کی سائنسی تعلیمات کے حوالے سے بھی اقبال واضح خیالات رکھتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمان مفکرین میں قُدَما کو چھوڑ کر شاید ہی کوئی مفکر ایسا گزرا ہو جس نے عصری سائنسی تصورات کا اتنی گہرائی سے مطالعہ کیا ہو، جتنا اقبال نے کیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ انیسویں اور بیسویں صدی کے سائنسی ارتقا سے نہ صرف یہ کہ بخوبی واقف تھے بلکہ اس سے بڑی حد تک متاثر بھی تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ موجودہ سائنس زندگی کے ان حقائق کی طرف انسان کی رہنمائی کرتی ہے جس کو وجداناً اور عقلاً صحیح سمجھتے تھے۔"(5)

معاشرے میں دن بدن بڑھتی دولت کی غیر منصفانہ تقسیم نے بھی تعلیمی نظام پر منفی اثرات مرتب کیے ہیں۔ اعلیٰ معیارِ زندگی کی خواہش اور اُس سے پیدا ہونے والے اثرات میں تن آسانی، لالچ، ہوس اور تکبّر جیسی روحانی بیماریوں نے جنم لیا جس کے نتیجے میں ہم معاشرے میں معاشی عدل کا فقدان دیکھتے ہیں۔ اقبال خودی کا پیغام دے گئے لیکن بعد میں آنے والوں نے دولت کو اپنا امام بنایا۔ یوں جب ملّت راہ سے بے راہ ہوئی تو اس کا براہ راست اثر تعلیمی نظام پر پڑا۔ عصر حاضر میں لادینیت اور اور کُفر والحاد پر مبنی نظریات طلبہ میں بے راہ روی کا سبب بن رہے ہیں ۔ افسوس صد افسوس تعلیمی ادارے اس کا سدّباب کرنے سے قاصر نظر آتے ہیں اور کہیں کہیں تو وہ اس حوالے سے ان نظریات کے پرچار کا گڑھ بن گئے ہیں اقبال اسی حوالے سے کہتے ہیں۔

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ (6)

اقبال دینی علوم سے متعلق تحریر کرتے ہیں۔

"ہمارا پہلا مقصد موزوں صفات کے علماء پیدا کرنا ہے، جو ملّت کی روحانی ضرورتوں کو پورا کر سکیں، مگر زندگی کے متعلق ملّت کے زاویۂ نگاہ کے دوش بدوش ملت کی روحانی ضرورتیں بھی بدلتی رہتی ہیں۔ فرد کی حیثیت اس کی ذہنی و فکری آزادی اور طبعی علوم کی لامتناہی ترقی، ان چیزوں میں جو تبدیلی واقع ہوئی ہے، اس نے جدید زندگی کی اساس کو یکسر بدل دیا ہے۔ اجتہادی گہرائیوں کو دوبارہ حاصل کرنا مقصود ہے تو فکرِ دینی کو از سرِ نو تعمیر کرنا قطعاً لازمی ہے۔"(7)

اقبال کا مخاطب نوجوان تھے اور آج عصر حاضر میں ہماری توجہ کا مرکز بھی نوجوان ہی ہیں جنھوں نے مستقبل میں ملّت کی باگ دوڑ سنبھالنی ہے۔ اقبال نے نوجوانوں کے لیے مردِ مومن یا شاہین کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ انھیں شاہین میں جو صفات اور خوبیاں نظر آئیں وہی خصوصیات وہ نوجوانوں میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ درحقیت اقبال جس ''فقر'' یا درویشی کی بات کرتے ہیں وہ انھیں شاہین میں نظر آتی ہیں۔ شاہین بلند پرواز ہے، اُس کی نگاہ تیز ہے، وہ مردار نہیں کھاتا، دوسروں کا شکار کیا ہوا نہیں کھاتا، آشیانہ نہیں بناتا۔ اقبال ان خصوصیات کو فقر یا درویشی کے سانچے میں ڈھال کر مردِ مومن کا تصور پیش کرتے ہیں یہ مکمل طور پر اسلامی تصور ہے۔ بدقسمتی سے موجودہ دور میں مردِ مومن کا تصور کہیں پس منظر میں چلا گیا ہے۔ اس کی بڑی وجہ ہمارا تعلیمی نظام ہے جو اغیار سے لیا گیا ہے۔

" مغرب کی مادّی تہذیب اور اس کی پیدا کردہ مشکلات اور مسائل کا تجزیہ کرتے ہوئے اقبال اپنی تصنیف "تشکیل جدید الہیات اسلامیہ "میں لکھتے ہیں" حاصلِ کلام یہ کہ عصرِ حاضر کی ذہنی سرگرمیوں سے جو نتائج مرتب ہوئے ہیں، ان کے زیرِ اثر انسان کی روح مردہ ہو چکی ہے۔ یعنی وہ اپنے ضمیر اور باطن سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے۔"(8)

درج بالا مسائل مزید مسائل کو جنم دینے کا سبب بنے۔ اور اب ہمارے سامنے ایسے نوجوان ہیں جن میں کچھ احساس برتری اور کچھ احساس کمتری کا شکار ہیں۔ ان تمام مسائل کا بغور جائزہ لینے پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان مسائل کے نتیجے میں ہمارا تعلیمی نظام درج ذیل بڑے فتنوں کا شکار ہے

-

تعلیمی نظام کو درپیش فتنے اور مسائل:

1. عشقِ قرآن اور عشقِ رسول ﷺ سے دوری

2. نوجوانوں میں ملّت کے تصور کا فقدان
3. مغربی تہذیب سے مرعوبیت اور اُس کے منفی اثرات

تحقیق کے نتیجے میں یہ بات سامنے آئی کہ افکارِ اقبال میں بڑی گہرائی کے ساتھ ان مسائل کی نا صرف نشاندہی کی گئی ہے بلکہ ان کے حل کے لیے تجاویز اور آئندہ لائحہ عمل بھی موجود ہے۔

اقبال کا فلسفۂ عشق انتہائی طاقتور فلسفہ ہے جس کے ماخذ کو اگر ہم سمجھ جائیں اور اپنے تعلیمی نظام اور اس سے متعلق نصاب کا حصہ بنائیں تو ہمارے تعلیمی نظام کے بہت سے مسائل اپنی موت آپ مر جائیں گے۔

بعض علمی حلقوں نے اقبال پر خِرد دشمنی کا الزام لگایا ہے، مگر فکرِ اقبال کا مطالعہ کریں تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ الزام محض ان چند نظموں کے خلاف ایک رد عمل ہے جن میں اقبال نے عقل اور عشق کا موازنہ کرتے ہوئے عقل پر عشق کی برتری کا ذکر کیا ہے۔ ویسے دلچسپ بات یہ ہے کہ ان نظموں میں بھی اقبال نے عقل کو گردن زنی قرار نہیں دیا، بلکہ ادراکِ حقیقت کے عمل میں اسے ثانوی حیثیت دی ہے۔(9)

اقبال نے ماضی کے فلسفیوں کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد جو تصورات پیش کیے کیوں کہ ان کا ماخذ قرآن تھا اس لیے وہ حقیقت سے زیادہ قریب نظر آتے ہیں۔

تڑپ رہا ہے فلاطوں میانِ غیب و حضور
ازل سے اہلِ خرد کا مقام ہے اعراف (10)

افلاطون نے اپنے استاد سقراط کی طرح اس بات کا اعتراف کیا کہ انسان کو اشیائے کائنات کا علم حاصل تو ہو سکتا ہے لیکن محض کُلیات، تصورات اور عالمگیر صداقتوں کے ذریعے سے، لیکن چونکہ یہ اشیا ہر وقت تغیر پذیر رہتی ہیں اس لیے ان کا علم حقیقی اور اصلی نہیں ہے۔ چنانچہ دنیا میں جو کُچھ نظر آتا ہے وہ لائقِ اعتبار نہیں۔ گویا افلاطون نے عالمِ موجودات کا انکار اور عالمِ غیر محسوس کا اثبات کیا۔ اس فلسفے کی وجہ سے مسلمانوں میں بے عملی پیدا ہوئی جس کی اقبال نے سخت مذمّت کی ہے۔(11)

اقبال کے تصورِ عشق کا آغاز پروانہ کے شمع کے گرد رقص سے شروع ہوتا ہے۔ لیکن جب عشق کے مراحل طے ہوتے جاتے ہیں تو پھر اقبال جگنو کی مثال دیتے ہیں جو خود سراپا روشنی ہے۔

پروانہ اک پتنگا، جُگنو بھی اک پتنگا
وہ روشنی کا طالب، یہ روشنی سراپا (12)

اقبال نے مغربی فلاسفروں کی سوچ سے ایک قدم آگے بڑھایا جب انھوں نے عقل کی مدد سے طے ہونے والے سیدھی لکیر کے سفر میں عشق کے بُعد کا اضافہ کیا۔ عشق دائرے میں گھومتا ہے اور "محبوب" کے گرد پروانہ وار طواف کرتا ہے۔(13)

خودی عشق کا دوسرا نام ہے۔ خُودی مطلب خود آگاہی ہے۔ یعنی یہ کہا جا سکتا ہے کہ خودی یقین کے ساتھ ذوقِ طلب کا نام ہے۔

ایں گنبدِ مینائی، ایں پستی و بالائی
در شد بدل عاشق با این ہمہ پہنائی(14)

پیامِ مشرق میں اقبال کے اس شعر کا فیض نے بڑا خوب صورت ترجمہ کیا۔

یہ گنبدِ مینائی، یہ پستی و بالائی
سمٹی دلِ عاشق میں ہر ایک کی پہنائی (15)

اسی عشق نے اقبال کو اقبال بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ یہی وہ عشق تھا جس نے اُن کے کلام کو تاثیر عطا کی۔ یہی وہ عشق تھا کہ آج بھی افکارِ اقبال اپنی تمام تابانیوں اور جولانیوں کے ساتھ زندہ ہیں۔ یہ عشق وہ سوزِ جگر ہے جس کے لیے اقبال مالکِ کائنات سے دعا کرتے تھے کہ میری امّت کے نوجوانوں کو بخش دے۔ اگر ہمارا نظام تعلیم اس نہج پر ترتیب دیا جائے کہ اُس کی بنیاد عشقِ قرآن اور عشقِ رسول ﷺ ہو تو ملّت کے نوجوانوں کو اغیار کی گدائی سے نجات ملے گی۔ اقبال نوجوانوں کے دلوں میں جو سوز اور درد دیکھنے کے خواہش مند تھے وہ اس عشق کی بدولت ہی ممکن ہے۔ جس عشق نے اقبال کی شخصیت سازی کی وہی عشق کا جذبہ اقبال اپنے نوجوانوں میں دیکھنے کے خواہش مند ہیں۔

نگاہِ عشق دلِ زندہ کی تلاش میں ہے
شکارِ مُردہ سزاوارِ شاہباز نہیں (16)

یہاں اقبال نے مومن کو شاہین سے تشبیہ دیتے ہوئے اُس کی اس خصوصیت کا بیان کیا ہے کہ مومن عشق و سرمستی سے کام لیتا ہے اس لیے اس کی پرواز بلند ہوتی ہے۔ اور بلند سوچ انسان کا معیار سطحی نوعیت کی سوچ کا حامل نہیں ہو سکتا۔ اب معاملہ تہذیب و تمدن کا ہو، اخلاقیات کا ہو، تعلیم و تربیت کا ہو عشق انسان کے دل میں وہ سرمستی پیدا کر دیتا ہے کہ پھر وہ نوجوان ستاروں پر کمند ڈالنے کا اہل ہو جاتا ہے۔ یعنی تعلیمی حوالے سے ہم جس بہترین معیار کی بات کر رہے ہیں اقبال کا تصور عشق ہمیں اُس کی جزئیات سے آگاہ کرتا ہے۔

عشقِ قرآن اقبال کے افکار کا سب سے اہم پہلو ہے۔ اقبال کی پوری حیات قرآن پر تفکر اور تدبر سے عبارت ہے۔ انھوں نے بڑے دردمند دل کے ساتھ حالات کا تجزیہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ

جانتا ہُوں میں یہ اُمّت حاملِ قُرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دِیں (17)

قرآن پاک کلامِ الٰہی ہے جو فصاحت و بلاغت کا سب سے بہترین نمونہ ہے اور جس کا بیان سادہ اور دل نشین ہے۔ اس کتاب میں دنیاوی اور اُخروی زندگی کے تمام معاملات کا اس خوبی سے احاطہ کیا گیا ہے کہ کسی پہلو سے تشنگی کا احساس نہیں ہوتا ہے۔ اس کتاب میں معیشت، معاشرت، اخلاق وغیرہ وغیرہ سے متعلق جتنے احکامات دیے گئے ہیں وہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ عشقِ قرآن کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہی قرآن ہماری زندگیوں میں اس طرح داخل ہو جائے کہ ہماری زندگی کا ہر معاملہ اس سے جُڑا ہو۔ نظامِ تعلیم کی تشکیلِ نو کے لیے قرآن کے لیے ایک لفظ " فرقان " بھی استعمال کیا گیا ہے۔ فرقان کے معنی حق و باطل میں فرق کرنے والے کے ہیں۔

"علامہ اقبال کے کلام کے متعلق ہر مفکر، ہر معلم، ہر نقاد، ہر ادیب، ہر استاد، ہر ماہر، اقبالیات اور ہر طالبِ علمِ اقبالیات پر یقین رکھتا ہے بلکہ یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ کلامِ اقبال میں روحانی ضوفشاں ہے۔ کلامِ اقبال کا بیشتر حصہ قرآن حکیم کی حکمت اور قرآنِ کریم کے کائنات۔ انسان، اقوام، اخلاق۔ مابعد الطبیعات اور حیات و ممات کے اسرار و رموز کے نکات پر مشتمل اور ان کی تصریح و تشریح کا آئینہ دار ہے۔"(18)

اقبال یہ کہہ گئے ہیں کہ مومن درحقیت حاملِ قرآں ہوتا ہے۔

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قُرآن! (19)

یعنی قرآن کی برکت ایسی نسل کو پروان چڑھانے کا سبب ہو سکتی ہے جو حق و باطل میں تمیز کرنے والی ہو۔ کیا یہی ہمارا آج کا المیہ نہیں کہ ہمارے نوجوان سیاہ اور سفید میں فرق نہیں کر پاتے ہیں۔ حاملِ قرآن ہونے کے بعد ان شاءاللہ اُن کی صلاحیتیں کُھل کر سامنے آئیں گی۔ غور و فکر کی بات یہ ہے کہ اگر ہمارا نظام تعلیم کلیتاً قرآن کی تعلیمات کے عین مطابق ترتیب دیا جائے تو اقبال کے شاہین بچّوں کا ہم تصوّر کی آنکھ سے نہیں بلکہ حقیقت میں مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ یہ کوئی خواب خیال کی بات نہیں ہے ہمارے اسلاف کی تاریخ میں ایسے لازوال کردار موجود ہیں جنھوں نے اپنے مضبوط کردار کی بدولت ایسی ایسی داستانیں رقم کیں جن پر دشمن بھی عش عش کر اُٹھے۔

اقبال عشقِ قرآن اور عشقِ رسول ﷺ کی بات کرتے ہیں تو یہ بھی ایک ضروری امر ہے کہ ہمارے تعلیمی نصاب میں بتدریج اور مرحلہ وار سیرتِ پاک ﷺ کو شامل کیا جائے۔ شعبۂ تعلیم ہمیشہ نظری اور عملی تعلیم کی اہمیت پر زور دیتا ہے تو پھر یہ بات لازمی ہے کہ قرآن و حدیثِ نبوی ﷺ کو سمجھے اور سمجھائے بغیر ہم کس طرح اس نظام کی بہتری کے بارے میں سوچ سکتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کی سیرتِ پاک کا اگر بامقصد انداز میں مطالعہ کیا جائے تو یہ نکتہ سامنے آتا ہے کہ سیرت پاک ﷺ کا مطالعہ انسان کی "خودی" کو درجۂ کمال تک پہنچانے کا سبب ہے۔ سیرت محمدی ﷺ کے سانچے میں خود کو ڈھالنے کی کوشش انسان میں شجاعت، بہادری، اتحاد، اُخوت، رواداری اور مساوات کی خصوصیات پروان چڑھانے کا سبب بنتی ہیں۔

اقبال نے اپنی تخلیق ارمغانِ حجاز ﷺ میں حضورِ اکرم ﷺ کے نام سے اپنے خیالی سفر کے بارے میں تحریر کیا ہے۔ اقبال جانتے تھے کہ حُبِّ رسول ﷺ انسان کی زندگی میں کیا انقلاب برپا کر سکتا ہے۔ اِلحاد اور لادینیت کی یلغار کا سامنا کرنے کی صرف ایک ہی راہ ہے اور وہ راہ ہے عشق و محبت کی راہ، جس پر چلنے والا اپنی منزل تلاش کر ہی لیتا ہے۔ عصر حاضر کے تعلیمی نظام کے نصاب میں سیرت پاک ﷺ کو باضابطہ منصوبہ بندی اور رسول اکرم ﷺ کی زندگی کے تمام واقعات کو فکری اعتبار سے بیان کیا جائے تاکہ موجودہ دور میں ہونے والی تہذیبی، معاشی اور معاشرتی یلغار کا مقابلہ کیا جا سکے۔ خیال رہے افکارِ اقبال میں فقر پر زور دیا جاتا ہے جس کے معنی دنیا سے بے طلب ہو جانا ہے۔ اسی لیے ہمارے تعلیمی نظام کو فکرِ اقبال کے عین مطابق اس انداز سے ڈھالنا ضروری ہے کہ نوجوان دنیا کے بلند مراتب اللہ کے نام کی سربلندی کے لیے حاصل کریں۔ اُن کا جاہ و جلال اللہ کے نظام کو جاری کرنے کے لیے ہو مگر اُن کا دل فقر یعنی درویشی کے جذبات سے لبریز ہو۔

غرض مَیں کیا کہُوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا (20)

اسلامی نشاۃِ ثانیہ کے لیے اقبال کے مجموعی کام کو تین دائروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ فرد کی تعمیرِ سیرت
۲۔ فکری اور علمی کاوش
۳۔ پاکستان کا تصور اور اس کے لیے عملی جدوجہد

اقبال نے تاریخِ عالم کے مطالعہ سے بجا طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا کہ جب تک فرد اپنے اخلاق و اطوار اور سیرت و کردار میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرتا معاشرے میں کسی بڑے انقلاب کی توقع عبث ہے۔(21)

اقبال کے نزدیک طلبہ کے لیے تاریخ کا مطالعہ انتہائی لازمی قرار دینا چاہیئے۔ اقبال چاہتے ہیں کہ تاریخ کے مطالعے کے دوران تہذیبی ، معاشرتی، معاشی معاملات میں مذہب کو ترجیحی بنیادوں پر مد نظر رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ قرآن میں قصائص بیان کیے گئے ہیں تاکہ درسِ عبرت حاصل ہو۔ گو کہ تاریخ کا مطالعہ عمومی طور پر افراد کا مطالعہ ہے لیکن اس کے ذریعے فردِ واحد کی تربیت کا کام انجام دیا جاتا ہے۔ اسی لیے اقبال جہاں ایک طرف طارق بن زیاد کی شجاعت کا ذکر کرتے ہیں تو دوسری جانب فاطمہ بنتِ عبداللہ ایک مضبوط کردار کے طور پر سامنے آتی ہیں۔ اقبال فرد، واحد کی شخصیت، کردار اور اخلاق کی تعمیر میں تاریخی حوالوں کی اہمیت سے بخوبی واقف ہیں۔

افکارِ اقبال سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ عصرِ حاضر کے تعلیمی نظام میں باقاعدہ طور پر منصوبہ بندی کے تحت تاریخ کو نصاب کا حصہ بنایا جائے۔

مَیں کہ مری غزل میں ہے آتشِ رفتہ کا سُراغ
میری تمام سرگزشت کھوئے ہُوؤں کی جُستجو (22)

اقبال کے کلام میں ہمیں بارہا تلمیحات، استعارات اور تشبیہات کے ذریعے تاریخی حوالے ملتے ہیں۔ اقبال اپنے کلام میں کہیں کہتے ہیں ؏

فاطمہ! تُو آبرُوئے اُمّتِ مرحوم ہے (23)

اور کہیں کہتے ہیں ؏

صِدّیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسول بس (24)

کہیں اقبال ٹیپو سلطان کا ذکر کرتے ہیں اور کہیں عبدالرحمٰن اوّل کا۔ ان کے کلام میں پوشیدہ پیغام یہ بھی کہتا نظر آتا ہے کہ نوجوانوں کو نہ صرف اسلاف کے کارناموں سے آگاہ کیا جائے بلکہ جن عظیم شخصیات نے یہ کارنامے سرانجام دیے ان کی خوبیوں سے بھی متعارف کروایا جائے کہ سبزہ وہیں اُگتا ہے جہاں مٹی نم ہوتی ہے۔ پھر اقبال صرف تاریخی شخصیات کا ہی حوالہ نہیں دیتے بلکہ ان کے کلام میں جابجا تاریخی مقامات کا حوالہ بھی موجودہ ہے۔ تاریخی مقامات کی ہر مسلمان کی زندگی میں اہمیت ہونا انتہائی ضروری ہے۔ یہ مقامات انسان کا ماضی سے رشتہ جوڑنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ درحقیقت انسان ایک ایسی مشترکہ ڈور سے بندھا ہوا ہے جس کا ایک سرا ماضی اور دوسرا مستقبل سے جڑا ہوتا ہے اور حال میں انسان نے اُسے تھاما ہوا ہوتا ہے۔ اب اگر ہم اس بات کی شعوری کوشش کریں کہ تاریخ ہمارے تعلیمی نظام یا نصاب کا ایک اہم شعبہ بن جائے تو اس کے دوررس نتائج سامنے آئیں گے۔

اقبال کے کلام میں انبیاءعلیہ السلام کا تذکرہ بھی جابجاملتا ہے۔ کیوں کہ اقبال قرآن کے شارح ہیں اس لیے وہ انبیاء کرام کے ذکر کے ذریعے شخصیت سازی کے ہنر سے بخوبی واقف ہیں۔ اگر اقبال کے کلام کے ذریعے ہم طلبہ کو بامقصد انداز میں مختلف سرگرمیوں کے ذریعے ان قصائص کو پڑھائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ تعلیم نظام اپنے مقاصد کو احسن طریقے سے حاصل کر سکتا ہے۔ اقبال نے اپنے کلام میں حضرت آدم علیہ السلام کے اس کرۂارض پر استقبال کا منظر، حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بے خطر عشق، حضرت اسماعیل علیہ السلام کے آدابِ فرزندی، حضرت ایّوب علیہ السلام کے صبر اور حضرت موسیٰ کے معجزات کا ذکر اس خوبی سے کرتے ہیں کہ پڑھانے والا اگر صاحبِ نظر ہو اور اس کی تدریس کا کوئی مقصد ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمارے نوجوانوں کی تربیت کا عمل ادھورا رہ جائے۔ کلام اقبال میں استاد اور شاگرد کے رشتے کی وضاحت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بیان کے ذریعے بڑی خوب صورتی سے بتائی گئی ہے۔

"اقبال نے تعلیماتِ انبیا کو شعر و فکر کے سانچے میں ڈھال کر امّتِ مسلمہ کے تمام افراد میں ولولۂ تازہ، جوشِ ایمانی اور غیرتِ ملّی کا جذبہ پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔"(25)

غرض اقبال کا تصور تاریخ صرف درسِ عبرت نہیں دیتا بلکہ وہ سیکھنے اور سکھانے کے قائل ہیں۔ کیا یہی ہمارے نظامِ تعلیم کا مقصد نہیں ہے؟ اور اگر ہے تو افکارِ اقبال کے اس پہلو کو شاملِ نصاب کرنا کتنا ضروری ہے۔

تصورِ ملّت کا فقدان وہ مسئلۂ عظیم ہے جس سے پوری امت مسلمہ دوچار ہے۔ ہم نے مغربی اقوام میں نیشنلزم کے نتیجے میں پھیلنے والی لادینیت کا مشاہدہ کر لیا ہے۔ حضرت محمد ﷺ نے اپنے خطبۂ حج میں واشگاف الفاظ میں فرمادیا تھا کہ کسی عربی کو کسی عجمی پر فوقیت نہیں ہے۔ رنگ، نسل، ذات، زبان کی وجہ سے ہونے والے اختلافات بڑی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوتے ہیں۔ پہلی جنگ عظیم کے زمانے میں اور سلطنت عثمانیہ کے خاتمے نے اقبال کے جوش و جذبے کو ہوا دی۔ اپنے کلام میں اقبال پوری شدّومد کے ساتھ ایمان اور مردِ مومن کی خصوصیات کے ساتھ تصوّرِ ملّت پیش کرتے نظر آتے ہیں۔ اگر ہمارے تعلیمی نظام میں افکارِ اقبال کے اس پہلو کو دلچسپ سرگرمیوں کی شکل میں شامل کیا جائے تو نا صرف نوجوانوں کے اذہان میں تصوّرِ ملّت واضح ہو گا بلکہ وہ ملّت کی بقا کے لیے اپنی صلاحیتوں کا استعمال بھی کر سکیں گے۔ زمانے کے سرد و گرم کو جھیلنے اور بیرونی طاقتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے مسلم اُمّہ کا متحد ہونا انتہائی ضروری ہے۔ تعلیمِ نظام میں فکرِ اقبال کے مطابق تصوّرِ ملّت کی شمولیت اس بڑے فتنے کے سدباب میں ایک نمایاں کردار ادا کرے گی جب عمومی طور پر یہ بات کی جاتی ہے کہ اقبال مغربی تہذیب سے بے زار نظر آتے ہیں اور ہمیں مغربی افکار اور تہذیب کی گدائی سے پرہیز کرنا چاہیئے تو ہم افکارِ اقبال کے ایک اہم پہلو کو فراموش کر دیتے ہیں۔

جوہر میں ہو 'لا اِلٰہ' تو کیا خوف
تعلیم ہو گو فرنگیانہ (26)

یہاں یہ نکتہ سمجھنا ضروری ہے کہ اقبال مغربی تہذیبی اثرات سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں لیکن مغرب کی سائنسی ترقی سے استفادہ حاصل کرنا اقبال کے نزدیک کوئی قبیح فعل نہیں ہے۔ اسرارِ خودی کے پہلے دیباچہ میں اقبال نے کہا تھا کہ "مغربی اقوام اپنی قوتِ عمل کی وجہ سے تمام اقوامِ عالم میں ممتاز ہیں اور اس وجہ سے اسرارِ زندگی کو سمجھنے کے لیے ان کے ادبیات و تخیلات اہلِ مشرق کے واسطے بہترین رہنما ہیں۔"

شعبۂ تعلیم سے وابستہ افراد یہ بات جانتے بھی ہیں اور مانتے بھی ہیں کہ مغربی تہذیب کی یلغار نے ہمیں مشکل میں ڈال دیا ہے۔ چاہے ہم اس بات کے لاکھ دعوے کریں کہ ہم ایک اسلامی جمہوریہ پاکستان کے باسی ہیں ہمارے عمومی نوجوانوں کا طرزِ عمل پکار پکار کر اُن کی ذہنی غلامی

کی تشہیر کرتا ہے۔ اقبال یہ جانتے تھے کہ مغرب کی ذہنی غلامی نے ہمارے نوجوانوں کے دل سے وہ جوہر نکال دیا ہے جس کے بل پر وہ ماضی میں بحرِ ظلمات میں گھوڑے دوڑایا کرتے تھے اب ان نوجوانوں کا نشترِ تحقیق بھی کُند ہو چکا ہے۔ گو اقبال مغرب کی حرکت و عمل کی روش کے قائل تھے اور اس حد تک فرنگیانہ تعلیم کے مخالف بھی نہیں تھے لیکن وہ یہ جانتے تھے کہ مغربی فکر و فلسفہ ہمارے نوجوانوں کے لیے زہرِ قاتل ہے۔ ہم نے مغرب سے تفریحِ طبع، تعیش اور سہولیات سے بھرپور زندگی تو مُستعار لے لی لیکن اُن کی تحقیق کی لگن، آگے بڑھنے کی جستجو اور اس کائنات کو مسخر کرنے کا خواب ہمارے لیے خواب ہی رہا۔ یہ مغربی افکار کا ہی کرشمہ ہے کہ رُوح کو جسم کے سامنے کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ ان افکار نے دین کو سیاست سے الگ کر دیا جس کی وجہ سے تمام نظام درہم برہم ہو گیا۔ اقبال نے اپنے افکار کے ذریعے ملّتِ اسلامیہ خصوصاً نوجوانوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ حقیقی فلسفۂ حیات صرف اور صرف دینِ اسلام کی مرہونِ منت ہے لیکن مسلمانوں میں حرکت و عمل کے فقدان نے اُن کو حقیقی منزل سے دور کر دیا ہے۔

"اقبال نے ضُعفِ خودی کے جو اسباب بیان کیے ہیں ان میں ا۔ مقصد کا نہ ہونا ۲۔ آرزو کا مر جانا ۳۔ پیکار سے دست بردار ہو جانا تین اہم اسباب ہیں۔ اقبال کی رائے میں فرد اور ملّت دونوں کی خودی سوال (غیروں کی دست نگری) سے ذلیل و رسوا ہو جاتی ہے۔ اقوام ہوں یا افراد دونوں کے لیے خود آشنا اور باغیرت و باحمیّت ہونا اور اپنی ہستی پر اعتماد لازمۂ حیات ہیں۔"(27)

مغربی سیاست آج بھی اسلام دشمنی میں سب سے آگے ہے۔ آج یہ اُس طرح سامنے آکر کھڑی نہیں ہیں جس طرح کبھی سلطان صلاح الدین ایّوبی کے سامنے بالمقابل تھیں بلکہ آج تو یہ نقاب لگا کر، چُھپ کر گھات لگا کر وار کرتے ہیں۔ کبھی حقوقِ نسواں کے نام پر، کبھی مزدوروں کے حقوق کے نام پر اور کبھی ایسی شخصی آزادی کے نام پر کہ جس کی وجہ سے ماضی میں بہت سی قومیں اللہ کے غیظ و غضب کا نشانہ بنیں۔ مذہب سے دوری کے باعث ہمارا نوجوان جس منتشر سوچ کا شکار ہے اور اسے جس ارتکاز کی ضرورت ہے اس کے لیے دین کے حوالے سے تربیت لازمی عمل ہے۔ عصرِ حاضر میں تعلیمی نظام کو ان بنیادوں پر استوار کرنے کی ضرورت ہے کہ پہلے افراد کی ذہن سازی کی جائے مغرب کے فلسفہ کے چُنگل سے نجات دینے کے لیے ضروری ہے کہ نوجوانوں کو دلچسپ تربیتی عمل سے گزارا جائے ان کی عُمر، ذہنی سطح کے مطابق بتدریج ذہن سازی کے ایک باقاعدہ پروگرام کی تشکیلِ نو کی جائے۔ آج ملّت اسلامیہ کو جس فکری انقلاب کی ضرورت ہے عصرِ حاضر کا نظامِ تعلیم اُس کے لیے بنیاد ثابت ہو سکتا ہے۔ یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ یہ سمجھا جائے کہ مغربی اقوام کی پیروی کے حوالے سے اقبال کیا سمجھتے ہیں اور کیا کہتے ہیں ؟عصر حاضر میں مغربی تہذیب کے منفی اثرات سے بچتے ہوئے اُن کے علم و ہنر سے استفادہ حاصل کرنا ہی وہ گُر ہے جس کی آج تعلیمی نظام کو اشد ضرورت ہے۔

مشرق سے ہو بیزار، نہ مغرب سے حذر کر
فِطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحَر کر! (28)

اس تمام بحث کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ عصر حاضر کے تعلیمی نظام کو فکرِ اقبال کی روشنی میں ڈھالنے کے لیے ضروری ہے کہ یہ کام مرحلہ وار کیا جائے۔

ا۔ کلامِ اقبال کا تعلیمی تناظر میں از سرِ نو جائزہ اور تحقیق
۲۔ اساتذہ کی فکری تربیت
۳۔ تعلیمی نظام کی از سرِ نو تدوین

۴۔ کلامِ اقبال کے حقیقی پیغام پر مبنی مضامین اور کُتب کی تخلیق
۵۔ تعلیمی نصاب کی تشکیلِ نو

عصرِ حاضر کے تعلیمی نظام کا آئندہ لائحۂ عمل طے کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے کلامِ اقبال کا از سرِ نو جائزہ لیا جائے۔ اس حوالے سے اہلِ علم اور اہلِ نظر آلۂ تحقیق کو استعمال کریں۔ موجودہ حالات وواقعات، معاشرتی دباؤ، سوشل میڈیا کے بڑھتے اثرات اور دوسرے بہت سے فتنوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے اور قرآن وحدیث نبوی ﷺ سے مدد لیتے ہوئے وہ اُصول وضع کیے جائیں جو نئے تعلیمی نظام کی بنیاد ہوں۔ یہ عمل دینِ اسلام کی اصل روح کو بیدار کرنے کا سبب ہو گا۔ اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ یہ اُصول بچّوں اور نوجوانوں کی عمر اور ذہنی سطح کو سامنے رکھتے ہوئے وضع کیے جائیں تاکہ دوررس نتائج کے حامل ہو سکیں۔

موجودہ تعلیمی نظام میں سے ایک بڑا مسئلہ فکرِ اقبال کی روشنی میں اساتذہ کی تربیت سے متعلق ہے۔ موجودہ دور میں سوشل میڈیا کے بے تحاشا استعمال نے نا صرف طلبہ بلکہ اساتذہ کے تصورات اور نظریات کو بُری طرح جھنجھوڑا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ بعض اساتذہ گمراہ کُن خیالات کے حامل ہو گئے اور پھر وہ اپنے ان خیالات کی ترسیل کا بھرپور ذریعہ بن گئے۔ اگر ہم افکارِ اقبال کی روشنی میں اپنے تعلیمی نظام کو ڈھالنا چاہتے ہیں تو ہمیں ایسے اساتذہ کی اشد ضرورت ہو گی جو قرآن وحدیث نبوی ﷺ کی اصل روح اور افکارِ اقبال کی ضرورت واہمیت سے آگاہ ہوں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اساتذہ کی تربیت ایک انتہائی ضروری عمل ہے جو تعلیمی اداروں کی سطح پر انجام پذیر ہو تو فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے۔ جب اساتذہ جوہرِ تعلیم سے آراستہ ہو جائیں گے تو وہ اپنے شاگردوں میں اس کی منتقلی کا سبب بنیں گے یوں یہ سلسلہ اُسی طرح جاری وساری ہو جائے گا جو کبھی ہمارے اسلاف کے درس وتدریس کے عمل کا جاری رکھنے کا سبب بنتا تھا۔

ہمارا تعلیمی نظام مغرب سے مُستعار لیا ہوا ہے اسی لیے ہم اُس سے فیض حاصل کرنے میں اب تک ناکام ہیں۔ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ ہم از سرِ نو اپنے تعلیمی نظام کا جائزہ لیں۔ موجودہ تعلیمی نظام صرف اور صرف تسخیرِ مادہ پر زور دیتا ہے اسی لیے وہ ایسے اجسام کی تربیت کرتا ہے جو اندر سے کھوکھلے ہوتے ہیں۔ بظاہر اُن کا جسم ہنستا کھیلتا چست وتوانا ہوتا ہے لیکن اُن کی روح مردہ ہوتی ہے۔ اقبال نے اپنی مثنوی ''پس چہ باید کرد اے اقوامِ مشرق'' میں جس مردِ مومن کا خاکہ پیش کیا ہے موجودہ تعلیمی نظام اُس کے لیے زہرِ قاتل ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ تعلیمی نظام کا دوبارہ جائزہ لیا جائے اور اُس میں مرحلہ وار طلبہ کی ذہنی سطح اور عمر کا خیال رکھتے ہوئے ایسی جدّت کی جائے جو نوجوانوں کے نئے دور کے تقاضوں کو نا صرف سمجھنے بلکہ اُن کا مقابلہ کرنے کا اہل بھی بنا سکے۔

تعلیمی نظام کے مسائل کے حل کے حوالے سے اور آئندہ لائحہ عمل طے کرنے کے لیے ضروری ہے کہ کلامِ اقبال پر مبنی مضامین اور کُتب لکھی جائیں۔ ان کُتب میں خاص طور پر موجودہ حالات، فتنوں اور لادینی نظریات کا خیال رکھا جائے تاکہ شعبۂ تعلیم سے وابستہ افراد ان کا مقابلہ کرنے کے اہل ہو سکیں۔ ان کُتب میں بھی بتدریج طلبہ کی عمر اور ذہنی سطح کا خیال رکھا جائے۔ درس وتدریس کے لیے لکھی جانے والی کُتب کو پڑھانے سے قبل اساتذہ کے لیے تربیتی نشستوں کا اہتمام کیا جائے تاکہ اس عمل میں کسی بھی قسم کی رُکاوٹ کا سدّباب کیا جا سکے۔ موجودہ دور میں اسمارٹ فون اور انٹرنیٹ کے بے تحاشا استعمال نے طلبہ اور اساتذہ دونوں کو مطالعۂ کُتب سے دور کر دیا ہے اور جب وہ مطالعے سے دور ہوئے تو لکھنے کا عمل بھی اُن کی زندگی کا حصہ نہ رہ سکا۔ اس بات کو اقبال نے بہت پہلے ہی بھانپ لیا تھا۔

تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تُو
کتاب خواں ہے مگر صاحبِ کتاب نہیں!(29)

اگر ہم شعبۂ تعلیم میں لکھنے لکھانے کے عمل کو فروغ دینے میں کامیاب ہو گئے تو یقیناً یہ عمل طلبہ اور اساتذہ دونوں کی فکری تربیت میں معاون ثابت ہو گا۔ تعلیمی نصاب کی تشکیلِ نو کا عمل تعلیمی نظام کی بہتری میں کلیدی کردار ادا کرے گا۔ خیال رہے کہ جب ہم نصاب کی بات کرتے ہیں تو اس میں نصابی اور ہم نصابی دونوں کی بات ہوتی ہے۔ عصرِ حاضر کے تقاضے ماضی کے مقابلے میں بہت مختلف ہیں۔ اُن کا مقابلہ کرنے کے طلبہ میں ایسی خصوصیات کا پیدا ہونا بہت ضروری ہے جو انھیں موجودہ دور کے مسائل سے نبرد آزما ہونا سکھائیں۔ نصاب کی از سرِ نو تدوین اور تشکیل ایک انتہائی ضروری کام ہے جسے اہل علم درد مند دل کے ساتھ انجام دیں تاکہ بہترین نتائج کا حصول ممکن ہو سکے۔ اس نصاب کا ماخذ قرآن اور حدیث نبوی ﷺ کا ہونا انتہائی ضروری ہے کیوں قرآن و حدیث نبوی ﷺ کے شارح تو اقبال بھی ہیں۔ افکارِ اقبال اس حوالے سے ہمارے لیے انتہائی مددگار ثابت ہوں گے۔ ان افکار کی روشنی میں نصاب میں ایسے واقعات، اسباق شامل کیے جائیں جو طلبہ کی تربیت میں اہم کردار ادا کریں۔ نیز یہاں یہ بات اہم ہے کہ جب ہم اقبال کے فلسفۂ عشق کی بات کرتے ہیں تو یہ ضروری ہے کہ ہمارے نصاب کو اس طرح ترتیب دیا جائے کہ اُس سے طلبہ میں اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے محبت اور تحسین کے جذبات پیدا ہوں۔ جہاں تک ہم نصابی سرگرمیوں کا تعلق ہے تو صرف اقبال کی نظمیں تحت اللفظ پڑھ دینے یا گا دینے سے اقبال کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ افکارِ اقبال ہم سے جس سنجیدگی کا تقاضا کرتے ہیں ہم اُس کا اب تک حق ادا نہیں کر پائے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ تعلیمی اداروں میں ایسی فکری نشستوں کا اہتمام کیا جائے جو طلبہ کی فکری تربیت میں اہم کردار ادا کر سکیں۔ طلبہ کو کلامِ اقبال کے اہم تصورات سے آگاہ کرتے ہوئے ایسے موضوعات دیے جائیں جن پر وہ آپس میں بحث و مباحثہ کر سکیں۔ اس کے لیے اساتذہ پہلے ان کے سامنے نمونے کے پروگرام پیش کر سکتے ہیں جس سے نا صرف طلبہ کی صلاحیتوں کو جِلا ملے گی بلکہ اُن کی فکری و روحانی تربیت بھی ہو گی جس کا ہمیں موجودہ تعلیمی نظام میں فقدان نظر آتا ہے۔ علامہ اقبال کی کُتب پر طلبہ کا جائزہ ایک ایسی سرگرمی ہے جس کے ذریعے طلبہ نا صرف مطالعۂ کُتب کی جانب راغب ہوں گے بلکہ اُن میں جائزہ لینے اور تبصرہ کرنے کی صلاحیت بھی پیدا ہو گی۔ علامہ اقبال ہمارے قومی شاعر کیوں ہیں؟ اس سوال کا جواب طلبہ سے تلاش کروایا جائے تاکہ وہ خود سوالات کے جوابات تلاش کرنے کے اہل ہو سکیں۔

تعلیمی اداروں میں ایسی سرگرمیوں کا انعقاد کیا جائے جن میں فکرِ اقبال کی روشنی میں صرف مشرق ہی نہیں بلکہ مغرب کے فلسفۂ تعلیم اور نظام کا موازنہ پیش کیا جائے۔ اس طرح کی سرگرمیاں طلبہ میں تجزیہ کرنے کی صلاحیت کے فروغ کا سبب بنیں گی۔ آج کا نوجوان نا صرف یہ کہ سوچتا ہے بلکہ اپنی سوچ کا برملا اظہار بھی کرتا ہے۔ اُس کو کسی بات سے متفق کرنے کے لیے قائل بھی کرنا پڑتا ہے۔ تعلیمی اداروں میں صحت مند سرگرمیوں کا انعقاد طلبہ کی فکری اور عملی تربیت کے لیے راہ ہموار کرنے میں معاون و مددگار ثابت ہوں گی۔

نوجوانوں کو اقبال کے بنائے ہوئے سانچے میں ڈھالنا کوئی آسان کام نہیں۔ اس کے لیے باقاعدہ منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ مقاصد طے کرنا اور اُن پر عمل کرنے کے لیے نیت کا صالح ہونا انتہائی ضروری ہے۔ علامہ اقبال حکیم الاُمّت ہیں۔ اپنے افکار کے ذریعے انھوں نے قوم پر جو احسان کیا ہے اُسے اُتارا تو نہیں جا سکتا لیکن اپنے تعلیمی نظام کا آئندہ لائحۂ عمل اُس کی روشنی میں طے کیا جا سکتا ہے۔ ان شاء اللہ

خورشید ایلچپوری فرماتے ہیں:

عہدِ ماضی کے فسانے طرزِ نو میں ڈھل گئے
اور چراغ اُمید کے تاریکیوں میں جل گئے
سعیٔ پیہم نے تری بخشی گلستاں کو بہار

کردیا مردہ دلوں کو زندگی سے ہمکنار
تیرے ہی فکرِ رسا کی دل نشیں تصویر ہے
ارضِ پاکستان تیرے خواب کی تعبیر ہے(30)

حوالہ جات

1۔علامہ اقبال:"کُلیاتِ اقبال،بانگِ درا" نظم "بزمِ انجم"(فیروز سنز لمیٹڈ)ص184
2۔سید مظفر حسین برنی:کلیاتِ مکاتیبِ اقبال(بک کارنر جہلم2016ء)،ص518
3۔سعید احمد رفیق:اقبال کا نظریہء اخلاق(ادارہء ثقافتِ اسلامیہ لاہور2009ء)،ص83
4۔ڈاکٹر سلیم اختر:اقبال اور ہمارے فکری رویے(سنگ میل پبلیکیشنزلاہور۔)ص149
5۔منظور احمد:اقبال شناسی(شرکت پرنٹنگ لاہور2002ء)ص62
6۔علامہ اقبال:کُلیاتِ اقبال "بانگِ درا" نظم "تعلیم اور اُس کے نتائج(فیروز سنز لمیٹڈ)ص217
7۔ڈاکٹر جاوید اقبال:زندہ رُود(اقبال اکادمی لاہور2012ء)ص163
8۔سید قاسم محمود:پیامِ اقبال بنام نوجوانانِ ملت(اقبال اکادمی لاہور2016ء)ص189
9۔ڈاکٹر وزیر آغا:تصوراتِ عشق و خرد اقبال کی نظر میں(اقبال اکادمی لاہور2000ء)ص1
10۔علامہ اقبال:کُلیاتِ اقبال "بالِ جبریل"منظومات(فیروز سنز لمیٹڈ)ص401)
11۔ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان:اقبال اور قرآن(اقبال اکادمی لاہور2007ء)ص58
12۔علامہ اقبال:کُلیاتِ اقبال "بانگِ درا" نظم "جگنو"(فیروز سنز لمیٹڈ)ص99)
13۔ڈاکٹر وزیر آغا:تصوراتِ عشق و خرد اقبال کی نظر میں(اقبال اکادمی لاہور2000ء)ص1
14۔علامہ اقبال:پیامِ مشرق منظوم ترجمہ(سنگِ میل پبلیکیشنزلاہور "غزل)ص180
15۔فیض احمد فیض:پیامِ مشرق منظوم اردو ترجمہ(سنگِ میل پبلیکیشنزلاہور)ص181
16۔علامہ اقبال:"بالِ جبریل،"منظومات(فیروز سنز لمیٹڈ)ص401
17۔علامہ اقبال:کُلیاتِ اقبال "ارمغانِ حجاز، نظم "ابلیس کی مجلس(فیروز سنز لمیٹڈ)ص655
18۔گوہر ملیسانی:اقبال اور معارفِ اسلام(راحیل پبلیکیشنز کراچی2016ء)ص363
19۔علامہ اقبال:کُلیاتِ اقبال "ضربِ کلیم"، نظم "مردِ مسلمان"(فیروز سنز لمیٹڈ)ص545
20۔علامہ اقبال:کُلیاتِ اقبال "بانگِ درا"، نظم "خطاب بہ جوانانِ اسلام"(فیروز سنز لمیٹڈ)ص190
21۔رفیع الدین ہاشمی:اقبالیات تفہیم و تجزیہ(اقبال اکادمی لاہور2004)ص140
22۔علامہ اقبال:کُلیاتِ اقبال "بالِ جبریل"، نظم "ذوق و شوق"(فیروز سنز لمیٹڈ)ص424
23۔علامہ اقبال:کُلیاتِ اقبال "بانگِ درا"، نظم "فاطمہ بنتِ عبداللہ"(فیروز سنز لمیٹڈ)ص223
24۔علامہ اقبال:کُلیاتِ اقبال "بانگِ درا"، نظم "صدیق"(فیروز سنز لمیٹڈ)ص231
25۔زینب النسا سرویا:کلامِ اقبال میں انبیا کرام کا تذکرہ(اقبال اکادمی لاہور2012)ص434
26۔علامہ اقبال:کُلیاتِ اقبال "ضَربِ کلیم"، نظم "جاوید"(فیروز سنز لمیٹڈ)ص568
2714۔مرتب ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی:علامہ اقبال مسائل و مباحث اقبال پر ڈاکٹر سید عبداللہ کے مقالات(اقبال اکادمی لاہور)ص292
28۔علامہ اقبال:کُلیاتِ اقبال "ضَربِ کلیم"، نظم "شعاعِ اُمید"(فیروز سنز لمیٹڈ)ص584

29۔ علامہ اقبال: کُلیاتِ اقبال "ضَربِ کلیم"، نظم "طالبِ علم" (فیروز سنز لمیٹڈ) ص564

30۔ مرتب ڈاکٹر راشد حمید: جاوداں اقبال (اکادمی ادبیات اسلام آباد 2007) ص263۔262